بیوٹی کلینک

"اے ہے میں نے کہا تم نے اچھن کی لونڈیا کو دیکھا۔" اماں بی نے چھالیہ پھانکتے ہوئے صالحہ بی بی کی طرف دیکھا۔ جن کے ہاتھ میں سروتہ تیزی سے چل رہا تھا پھر باری باری کتھا چونا چاٹتے ہوئے ان کے بولنے کا انتظار کیے بغیر خود ہی بولیں۔

"اے میں تو کل اکبر میاں کے ہاں میلاد میں اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔ توبہ ہے ہونٹوں پر بھر بھر کے سرخی، منہ پر لالی، پوڈر اور نہ جانے کیا کیا الابلا تھپا ہوا۔ اور بالوں کو نہ جانے کیا ہو گیا تھا بیے کا گھونسلا لگ رہے تھے اور دانت بات بے بات نکل رہے تھے۔ لو بھلا کنواری لڑکیاں بھی یوں بھری محفل میں اس طرح منہ پھاڑ کر ہنستی ہیں اور یوں بن سنور کر رہتی ہیں؟"

"ہاں بی۔" صالحہ بی بی نے ہونٹوں تک بہہ آنے والی پان کی پیک کو دوپٹے کے پلو سے صاف کرتے ہوئے کہا۔ "اللہ بخشے میری اماں کو کہا کرتی تھیں کہ لڑکیاں کنوار پنے میں ہی یوں بننے سنورنے لگیں تو دلہن بن کر ان پر روپ نہیں آتا۔"

"اور کیا۔" اماں بی نے صالحہ بی بی کے ہاتھ سے سروتہ لے کر چھالیہ کترنے کا شغل جاری رکھا۔ "ہمارے وقتوں میں تو لڑکی مہینہ بھر پہلے مایوں بٹھا دی جاتی تھی۔ مہینہ بھر لڑکی نہ کپڑے بدلتی تھی اور نہ نہا دھو کر سرمہ کا جل لگاتی تھی۔"

"توبہ ہے۔" عفو نے بال سلجھاتے ہوئے سوچا۔ "پورا ایک ماہ ایک ماہ ایک ہی جوڑے میں، پاگل نہ ہو جاتی ہو گی وہ لڑکی۔ اور جو جون جولائی کا مہینہ ہو تو پھر تو غضب ہی ہو جاتا ہوگا یہاں تو جب تک اس شدید گرمی میں دن میں دو بار نہا نہ چکو چین نہیں پڑتا۔"

"ہائے کیسا روپ آتا تھا دلہن بننے پر۔ آسانی نور برستا تھا دلہن کے چہرے پر اور یہ آج

کل دلہن پر نور تو کیا برسے گا الٹا نحوست برستی ہے۔"

"ہاں بی دیدوں میں کوئی شرم حیا ہو تو نور بھی اترے۔" صالحہ بی بی نے کتری ہوئی چھالیہ میں سے سڑی ہوئی چھالیہ الگ کرتے ہوئے حسب معمول اماں کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"اے میں کہتی ہوں یہ اچھن میاں منع نہیں کرتے اپنی لاڈلی کو۔" اماں بی نے پاندان کا ڈھکن بند کرتے ہوئے پوچھا۔

"لو بھلا اچھن میاں بے چارے کیا کریں گے۔ وہاں تو پورا آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔ لونڈیا کی بات تو تم رہنے دو۔ جورو بیٹا سے بھی دو ہاتھ آگے ہے۔ اس عمر میں خضاب لگا کر اور ہونٹوں پر لالی جما کر جوان بن رہی ہیں۔"

"آں......" اماں بی نے بات کرنے کی کوشش کی لیکن منہ میں اکٹھا ہو جانے والی پان کی پیک ہونٹوں سے بہہ نکلی تو انہوں نے جلدی سے ہاتھوں کی پشت سے ہونٹوں کو صاف کرتے ہوئے صالحہ بی بی کی طرف دیکھا۔

"رہنے دو بی بی۔ یہ اچھن میاں ہی بس جورو کے غلام ہو کر رہ گئے ہیں منع نہیں کر سکتے کیا بٹیا رانی اور بیگم صاحبہ کو۔"

"لو جی وہ کیوں منع کرنے لگے الٹا خوش ہوتے ہیں۔ آخر بیوی انہی کے لیے تو سنگھار کرتی ہے۔"

اور اماں بی حیرت سے صالحہ بی بی کی طرف دیکھنے لگیں۔ یہ خوش ہونے والی بات انہیں کچھ سمجھ نہیں آئی تھی۔

"لو بھلا اس میں خوش ہونے والی کیا بات ہے۔ ڈوب مریں اچھن میاں چلو بھر پانی میں۔" اب وہ بے چاری کیا جانیں۔ ساری زندگی انہوں نے انتہائی سادگی میں گزاری تھی۔ میاں پر بہت ٹوٹ کر پیار آیا تو کانوں میں موتیے کے دو پھول اڑس لیے اور دنداسہ لگا کر اوپر سے پان کھا کر ہونٹوں کو لال کر لیا لیکن اب تو دنیا ہی بدل گئی تھی لحہ بھر وہ یونہی حیرانی سے صالحہ بی بی کی طرف دیکھتی رہیں اور پھر بڑے رازدارانہ لہجے میں سرگوشی کی۔

"سچ کہنا بہن، زیتون بانو تم سے یہ کوئی دو برس ہی چھوٹی ہوں گی۔ اب بھلا یہ کوئی عمر ہے بننے سنورنے کی؟ اس عمر میں تو آدمی بیٹھ کر اللہ اللہ کرتا ہے۔"

صالحہ بی بی منہ کھول کر ہنسیں اور بولیں۔

"تم اللہ اللہ کرنے کی بات کرتی ہو۔ وہ تو ہر ہفتے بیٹی کے ساتھ بیوٹی کلینک میں بال

رنگوانے جاتی ہیں اور وہ کیا کہتے ہیں زیتون نے بتایا تو تھا وہ چہرے کا ماسک لینے فیشیل کرانے اور پتا نہیں کیا کیا۔"

"یہ موا بیوٹی کلینک کیا ہوتا ہے؟" اماں بی نے رفو کی طرف دیکھا جو آئینے میں اپنے سیاہ بالوں کی اوٹ میں سے جھانکتے سفید بالوں کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔

"خوبصورتی کا اسپتال سمجھ لیں اماں۔ جس طرح آدمی بیمار ہو تو اسپتال جاتا ہے بس اسی طرح یہ بیوٹی کلینک بھی ہوتے ہیں حسن میں کہیں کوئی کمی محسوس ہو تو لوگ اس کمی کو دور کرنے یا چھپانے کے لیے بیوٹی کلینک چلے جاتے ہیں۔" رفو نے تفصیل بتائی۔

"کیا؟" اماں بی کی آنکھیں مارے حیرت کے پھٹ سی گئیں۔

"ہاں ہاں ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے۔ یہ زیتون کو ہی دیکھ لو چہرے پر ایک جھری تک نہیں اور پینو بیٹی، رفو کی ہم عمر ہی ہوگی۔ پر دس سال چھوٹی ہی نظر آتی ہے۔"

"ہاں ہاں۔" اماں بی نے پرخیال انداز میں پھر رفو کی طرف دیکھا جس کی آنکھوں کی جوت بجھی ہوئی تھی اور چہرے پر ایک مایوس کن سی سنجیدگی نے ڈیرا ڈال رکھا تھا۔

اماں بی نے ہمیشہ اسے سادگی کا سبق دیا تھا۔ وہ ہمیشہ سیدھی مانگ نکالے بڑا سا دوپٹہ اوڑھے رکھتی تھی۔ کیا مجال جو کبھی اونچی آواز میں بات ہی کر جائے۔ شکر ہے انہوں نے رفو کو باہر کی ہوا نہیں لگنے دی ورنہ وہ بھی اچھن میاں کی بٹیا کی طرح بھری محفل میں بن سنور کر پڑ پڑ زبان چلاتی۔ انہوں نے فخر سے مسکرا کر صالحہ بی بی کی طرف دیکھا اور بولیں۔

"قیامت کے آثار ہیں بی۔ اب بھلا خدائی کاموں میں کیوں دخل دیا جائے۔ اللہ میاں نے جیسا بنا دیا بنا دیا۔ ناک چپٹی ہے تو وہ لمبی ہونے سے تو رہی اور اب بال رنگنے سے اور وہ کیا جھریاں مٹانے سے کوئی عمر گھٹ تھوڑی ہی جائے گی۔ رہے گی تو اتنی ہی نا۔" انہوں نے اپنی دانست میں بڑے پتے کی بات کہی اور ساتھ ہی رفو کو آواز دی۔

"ذرا پانی دینا بٹی حلق خشک ہوگیا ہے۔ یہ چھالیہ کم بخت حلق میں جا کر اٹک جاتی ہے۔"

"چاہے حلق خشک ہو چاہے دم الٹ جائے پر چھالیہ ضرور پھانکی جائے گی۔" رفو نے جھنجلا کر انہیں دیکھا اور کنگھی وہیں پھینک کر پانی لینے چلی گئی۔ جب سے بنگلہ دیش بنا تھا اماں بی نے پان خریدنا چھوڑ دیے تھے اور بس خالی خولی چھالیہ پھانک اور کتھا چونا چاٹ کر گزارا کر لیا کرتی تھیں بقول ان کے جو پان کا پتا پہلے دو پیسے، ایک آنے میں آتا تھا اب روپے آٹھ آنے میں لیتے

ہوئے کلیجہ پانی ہوتا تھا۔ حالانکہ پانوں کا ہی کیا یہاں تو ہر چیز کے بھاؤ آسمان سے باتیں کر رہے تھے پھر کتھا اور چھالیہ کیا مہنگے داموں نہ آتے تھے۔ آٹھ آنے یا روپے کا پتا خریدنے سے کون سی قیامت آجائے گی؟ پر اماں بی کی منطق نرالی تھی کہ وہ اتنا مہنگا پان کا پتا تو کبھی نہ خریدیں گی۔

رفو پانی لائی تو وہ صالحہ بی بی کے کان سے منہ جوڑے ہولے ہولے سرگوشیاں کر رہی تھی۔ "میرے رشتے کی بات ہو رہی ہوگی۔" رفو نے سوچا اور انہیں گلاس پکڑا کر افسردہ سی اپنی جگہ بیٹھ گئی۔ کئی دفعہ اس کا جی چاہا تھا وہ اماں بی سے کہہ دے کہ اسے نہیں کرنی شادی وادی۔ پھر اس ساری تگ و دو کا فائدہ؟ یوں بھی مدت ہوئی اس کے دل میں خوبصورت تمناؤں اور انجانی خواہشوں نے اپنے پر سمیٹ لیے تھے اور کچی عمر کے کچے خواب تعبیروں کا انتظار کرتے کرتے تھک کر سو گئے تھے۔ اب نہ تو اس کے اندر انجانی خواہشیں اودھم مچاتی تھیں اور نہ ان دیکھے سپنے اسے پریشان کرتے تھے۔ اسی لیے اس ساری بھاگ دوڑ سے اسے الجھن ہوتی تھی لیکن وہ چاہنے کے باوجود کبھی اماں بی سے کچھ نہیں کہہ سکی تھی کہ اس نے اماں بی کی بات کو رد کرنا یا ان سے بحث کرنا تو سیکھا ہی نہ تھا۔ بس خاموشی سے ہر بات پر سر جھکا دیتی تھی۔ یوں اسے اماں بی پر ترس بھی بہت آتا تھا اور محض اماں بی کی خاطر کئی بار اس نے دل ہی دل میں دعا مانگی تھی کہ کبھی تو صالحہ بی بی اس گھر میں وہ خوش خبری لے کر آئیں جس سے اماں بی کا بوجھ ہلکا ہو جائے اور وہ کھل کر ہنسیں، کھل کر مسکرائیں لیکن صالحہ بی بی بھی بے چاری کیا کرتیں جبکہ خود رفو کا مقدر ہی گہری نیند سویا ہوا تھا اور اس غریب میں اتنی طاقت کہاں تھی کہ اپنے سوئے ہوئے مقدر کو جگا سکتی۔ رفو کو بچپن میں پڑھی ہوئی "غریب مچھیرے" کی کہانی اکثر یاد آتی تھی وہ سوچتی اگر اسے پتا ہوتا کہ اس کا مقدر کہاں گہری نیند سو رہا ہے تو وہ ضرور بیراگن بن کر اسے کھوجنے نکل جاتی۔ نگر نگر، جنگل جنگل اسے ڈھونڈتی پھرتی اور اسے جگا کر غریب مچھیرے کی طرح اپنی کھوئی ہوئی خوشیاں دوبارہ پا لیتی۔ پر یہ سب تو کہانیوں کی باتیں تھیں اور...... اور اس کا مقدر نہ جانے کہاں سویا پڑا تھا۔ اس نے ہمدردی سے اماں بی کی طرف دیکھا جو اب بھی ہولے ہولے سرگوشیوں میں صالحہ بی بی سے کچھ کہے جا رہی تھیں۔ صالحہ بی بی کوئی پیشہ ور مشاطہ نہیں تھیں بلکہ محض اماں بی سے اپنی دوستی کا حق نبھائے جا رہی تھیں۔ اماں بی سے ان کی ملاقات ہندوستان سے پاکستان ہجرت کرتے ہوئے گاڑی میں ہوئی تھی پھر مہینوں مہاجر کیمپ میں اکٹھے رہے۔ وہیں کیمپ میں ہی صالحہ بی بی کے میاں جنت سدھارے تو اماں بی نے انہیں بڑا سہارا دیا۔ کیمپ سے اکٹھے نکلے ایک ہی مکان میں عرصے تک رہے پھر رفو کے ابا نے کوشش کر کے اپنے ہی محلے میں الگ مکان الاٹ کروا دیا۔ اپنی تو کوئی اولاد نہیں تھی۔ سو رفو

اپنی بیٹی کی طرح ہی عزیز تھی۔ انہیں سچ مچ رفو کا بہت خیال تھا اور وہ سالوں سے رشتوں کے تالاب میں اپنی مہارت کی ہنسی ڈالے بیٹھی تھیں لیکن ان کی ہر کوشش رائیگاں چلی جاتی تھی کبھی تو دولت کے ترازو میں رفو بی کا پلڑا آسانی سے جالگتا اور کبھی جہیز کی سولی پر ان کا جسم چڑھا دیا جاتا اور کبھی وہ عمر کے میزان میں مات کھا جاتی تھیں۔ ہر بار رفو کا جی چاہتا وہ اپنی اس بے قدری اور بے وقتی پر خوب چیخ چیخ کر روئے لیکن ہر بار اس کی چیخیں اس کے اندر ہی گھٹ کر رہ جاتی تھیں اور وہ سوچتی تھی کہ اب وہ کبھی ترازو کے اس پلڑے میں کھڑی نہ ہوگی جو انصاف کے میزان پر پورا نہیں اترتا تھا۔ وہ جان گئی تھی کہ لڑکی کا اپنا کوئی وزن نہیں ہوتا سارا وزن تو اس کے جہیز اور بینک بیلنس کا ہوتا ہے جو وہ اپنے ساتھ لاتی ہے مگر ہر بار اماں بی کی التجا کرتی آنکھیں اس کے عزائم کی دیوار کو بھربھری مٹی کی طرح ڈھا دیتی تھیں اور وہ ہر بار ایک نئی اذیت سہنے کے لیے پھر سے ترازو کے پلڑے میں آ کھڑی ہوتی۔ یہ جاننے کے باوجود کہ اسے تو کوئی بن مول بھی نہ لے گا۔ اس کے ہاتھ میں تو جہیز کی وہ فہرست ہی نہ تھی جو اس کے پلڑے کو زمین سے لگا دیتی اور لینے والا ہنسی خوشی اسے لے جاتا۔ اماں بی کتنی کوشش کرتیں، کتنی بھی بچت کیوں نہ کرتیں اس کا جہیز پھر بھی شرائط پر پورا نہ اترتا۔ لڑکے والوں نے ٹیپ ریکارڈر کا مطالبہ کیا تو اماں بی نے جیسے تیسے کر کے ٹیپ ریکارڈر خرید لیا لیکن تب تک وقت کچھ اور آگے بڑھ آیا تھا اور فہرست میں ٹی وی اور فرج کا اضافہ ہو چکا تھا۔ اماں بی بھی بے چاری کیا کرتیں؟ کہاں سے قارون کا خزانہ لاتیں؟ لے دے کے ایک مکان تھا جو بھلے وقتوں میں الاٹ ہوگیا۔ رفو کے ابا نے مرنے سے پہلے نچلے حصے میں چند دکانیں بنوا دی تھیں جن سے ہزار ڈیڑھ ہزار کی آمدنی ہو جاتی تھی اور ماں بیٹی عزت سے زندگی گزار رہی تھیں۔ اگر یہ آسرا بھی نہ ہوتا تو؟ رفو بی کانپ جاتیں۔

اماں بی نے تو انہیں میٹرک کے بعد ہی گھر بٹھالیا تھا کہ کون سا اس نے نوکری کرنی ہے۔ یہ تو رفو کی اپنی ہمت تھی کہ گھر بیٹھے بیٹھے ہی اس نے پہلے ایف اے اور پھر بی اے کرلیا۔ اماں بی تو بہت چڑتی تھیں۔

''اتنا پڑھ لکھ کر کیا کرے گی رفو؟ ہم نے کون سا تجھ سے نوکری کروانی ہے۔''

لیکن رفو نے منت سماجت کر کے انہیں راضی کر ہی لیا تھا اور جب سے صالحہ بی بی نے انہیں بتایا تھا کہ لوگ آج کل نوکری کرنے والی لڑکی سے رشتے کرنا پسند کرتے ہیں، لڑکی کی شکل و صورت اور خاندان پوچھنے کے بجائے پہلے یہ پوچھتے ہیں۔

''لڑکی نوکری کرتی ہے؟''

''کتنا کماتی ہے۔''

''کیا گریڈ ہے۔''

''ترقی کے امکانات ہیں یا نہیں؟''

تب سے اماں بی نیم رضامندسی ہوگئی تھیں کہ رفو بی۔ ایڈ کرنا چاہے تو کر لے لیکن جب رفو نے بی۔ ایڈ کرنا چاہا تو پتا چلا کہ بی۔ ایڈ کرنے کی عمر تو گزر چکی۔ کاش وہ دو چار سال قبل ہی بی۔ ایڈ کر لیتیں۔ اب کون ان کا باپ بھائی تھا جو بھاگ دوڑ کر کے خصوصی اجازت دلواتا اور اماں بی کو کئی دنوں تک یہ بات سمجھ میں نہ آئی تھی کہ بھلا پڑھنے لکھنے میں عمر کی قید کیوں؟ گویا یہ بھی کرنا ہوگیا جو یہاں بھی عمر کی قدغن لگی ہوئی ہے۔ تب رفو نے اپنے طور پر پرائیویٹ اسکول میں کوشش کی۔ کہیں سے تو ٹکا سا جواب مل گیا اور کہیں کچھ آس بندھی بھی، پتا چلا تنخواہ صرف سو روپے ہے۔ سو روپے تو آنے جانے کے کرائے میں ہی اڑ جاتے سو رفو ان دنوں سنجیدگی سے سوچ رہی تھی کہ وہ ٹائپنگ اور شارٹ ہینڈ کا کورس کر کے کسی دفتر میں نوکری کر لے کم از کم زندہ رہنے کا کوئی تو جواز ہو۔

اماں بی ابھی تک سرگوشیاں کیے جا رہی تھیں۔

''افوہ...... اب یہ قصہ نہ جانے کب ختم ہوگا؟'' رفو نے سر جھٹک کر سوچا اور کنگھا اٹھا کر آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی اس کے بال ابھی تک پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ باتیں کرتے کرتے اماں بی کی آواز ذرا کی ذرا بلند ہوگئی۔

''ہیں۔ کیا کہتے ہیں وہ لوگ عمر زیادہ ہے؟ اب ایسی زیادہ بھی نہیں۔ تم ہی کہو صالحہ اپنی رفو زیادہ سے زیادہ انتیس برس کی ہی ہوگی نا؟''

رفو نے چونک کر انہیں دیکھا۔ اماں بی نے بڑی صفائی سے اس کی عمر میں سے چھ سات برس اڑا لیے تھے۔ پاکستان بنا تھا تو وہ اچھی خاصی دوڑتی پھرتی تھی اور پاکستان بنے تینتیس برس بیت چکے تھے پھر بھلا صالحہ خالہ سے کیا چھپانا وہ انہی کی گود میں تو پل کر بڑی ہوئی تھی۔ دکھ کا ایک تیز نوکیلا کانٹا رفو کے وجود میں اتر گیا۔ اماں بی کتنی سچی، کھری اور صاف گو تھیں اور اب...... کون یقین کر سکتا ہے کہ اماں بی جو اپنی سچی اور کھری فطرت کی وجہ سے اکثر عزیزوں کے سامنے بری بن چکی تھیں جھوٹ بھی بول سکتی ہیں۔ رفو کے چہرے پر سایہ سا آ کر گزر گیا۔ اس نے زور سے آنکھوں کو بھینچتے ہوئے بے اختیار امڈ آنے والے آنسوؤں کو اندر ہی اندر پی لیا اور ادھر ادھر سے جھانکتے سفید بالوں کو سیاہ بالوں کے پیچھے چھپانے کی ناکام کوشش کرنے لگی مگر سفید بال باوجود کوشش کے شریر بچوں کی طرح ادھر ادھر سے جھانکنے لگتے تھے۔ جھنجلا کر اس نے کنگھی نیچے رکھ دی۔ اس کا حال

تو اس گداگر عورت کی پھٹی پرانی اوڑھنی کی طرح ہو گیا تھا جو سر ڈھانپتی ہے تو جسم عریاں ہو جاتا جسم ڈھانپنے کی کوشش کرتی تو سر ننگا ہو جاتا ہے۔

"وہ اپنے اچھن میاں کے سالے بھی تو ہیں نا۔ وہاں بات چلا کے دیکھو۔ شاید کام بن جائے۔" اماں بی نے بجھے بجھے لہجے میں کہا تو رفو نے الجھ کر انہیں دیکھا۔ وہ ملتجی نظروں سے صالحہ بی بی کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"میرا پور پور تمہیں دعائیں دے گا صالحہ بس ایک بار میری بچی کا کہیں۔"

رفو ایک دم بپھر گئی۔ یہ اماں بی اتنی چھوٹی، اتنی حقیر اور اتنی کمتر کیوں ہو رہی ہیں؟ دونوں ہاتھوں سے بال سمیٹ کر جوڑا بناتے ہوئے وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتی ہوئی ان کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"اماں بی۔" بڑی احتیاط سے سنبھل سنبھل کر نگاہیں جھکائے جھکائے اس نے کہا۔ "یہ ساری بھاگ دوڑ چھوڑ دیجئے۔ میں ٹائپنگ سیکھ کر نوکری کروں گی اور یہیں رہوں گی آپ کے پاس...... ہمیشہ...... مجھے کہیں شادی وادی نہیں کرنی۔"

اماں بی نے آنکھیں پھاڑ کر اس کی طرف دیکھا اور بولیں۔

"باؤلی ہوئی ہے لڑکی۔ کل کلاں کو میں مر گئی تو اکیلی جان کیا کرے گی۔"

"سب کچھ ٹھیک ہو جاتا ہے اماں بی۔ دنیا میں بہت سے لوگ ہوتے ہیں۔" رفو کو ٹھیک طرح سے کوئی بات ہی نہیں سوجھ رہی تھی۔

"اور وہاں جا کر تیرے باوا کو کیا جواب دوں گی۔ وہ جو پوچھ لیں کہ میری رفو کو کس کے حوالے کر کے آئی ہے تو بول کیا بتاؤں گی کہ تن تنہا چھوڑ آئی ہوں اور جو روزِ قیامت انہوں نے میرا دامن تھام کر شکوہ کیا تو؟"

یہ کہتے کہتے اماں بی کی آواز بھرا گئی اور رفو جو یہ عہد کر کے اماں کے سامنے آئی تھی کہ آج وہ سارا قصہ ہی ختم کر دے گی اماں بی کی کانپتی آواز سے اس کا حوصلہ آپوں آپ دم توڑ گیا کچھ کہنے کے لیے اس نے کئی بار منہ کھولا مگر آواز حلق میں ہی پھنس گئی۔ تب وہ مڑی ایک نظر اماں بی کی طرف دیکھا اور تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔

☆☆☆

ہے زیبا تجھے اکبری سروری
میری بار کیوں اتنی دیر کری

اماں بی پاندان گھٹنوں کے نیچے دبائے تخت پوش پر بیٹھی آنکھیں بند کیے بڑے عجز سے گنگنا رہی تھیں۔ کبھی کبھی وہ آنکھیں کھول کر رفو کو بھی دیکھ لیتی تھیں جو دوپٹہ تخت پر رکھے شلوار کے پائنچے چڑھائے صحن دھو رہی تھی یوں ہی بے دھیانی میں رفو کو تکتے ہوئے ان کی نگاہیں اس کے ننگے سر پر الجھ کر رہ گئیں۔ رفو کا تو آدھا سر سفید ہو رہا تھا وہ انگلیوں پر اس کی عمر کا حساب لگانے لگیں۔ تینتیس چونتیس، پینتیس اور ایک دم کانپ کر گھبرا کر انہوں نے مٹھی بند کر لی اور رفو کی طرف دیکھتے ہوئے جلدی جلدی گنگنانے لگیں۔

ہے زیبا تجھے اکبری سروری

ان کے دل میں اتھل پتھل ہو رہی تھی وہ دل ہی دل میں بار بار حساب لگاتیں اور پھر بیچ راہ میں ہی چھوڑ کر زیادہ جوش سے گنگنانے لگتیں۔

مری بار کیوں دیر اتنی کری

تب ہی برقع سر پر دھرے صالحہ بی بی نے صحن میں قدم رکھا۔

"آؤ آؤ صالحہ بڑی راہ دکھائی تم نے صبح سے انتظار کر رہی ہوں۔"

رفو نے سر موڑ کر انہیں دیکھا۔ ان کی آنکھیں اک دم لو دے اٹھی تھیں اور چہرہ امید کی روشنی سے چمک اٹھا تھا ہمیشہ ہی ایسا ہوتا تھا صالحہ بی بی کو دیکھتے ہی ان کی آنکھیں یونہی چمک اٹھتی تھیں۔ چہرہ اس طرح لو دینے لگتا تھا لیکن جب صالحہ بی بی بے حد نادم، بے حد شرمندہ ہو کر اپنی ناکامی کی داستان سناتیں تو لمحے بھر کو ان کا چہرہ زرد پڑ جاتا تھا اور وہ کتنی ہی دیر تک یونہی گم سم بیٹھی رہتی تھیں۔ ایسے میں رفو میں اماں بی کا چہرہ دیکھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ رفو نے جھاڑو کو ایک طرف کھڑا کیا اور صحن کے ایک کونے میں پڑے ہوئے حمام کے پاس بیٹھ کر منہ ہاتھ دھونے لگی۔

"بس کیا بتاؤں بی......" صالحہ بی بی نے برقع اتار کر تخت کے ایک کونے پر رکھا۔ "ادھر تمہارے پاس آ رہی تھی کہ راستے میں پینو مل گئی۔"

"کون پینو۔ وہی اپنے اچھن میاں کی صاحبزادی؟" اماں بی نے ابرو چڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں ہاں وہی۔ بولی خالہ میں ذرا بال کٹوانے بیوٹی کلینک جا رہی ہوں۔ بس یہیں مارکیٹ تک جانا ہے مگر اکیلی ہوں۔ اماں بھی گھر پر نہیں ہیں۔ تم ساتھ چلی چلو۔"

"اے ہے تو کیا وہ بال بھی کٹوانے لگی۔ اماں باوا منع نہیں کرتے؟ روکتے نہیں اسے؟ اس لڑکی کے تو پر لگ گئے ہیں بچپن میں ایک بار رفو نے بال کاٹے تھے تو دھنک کے رکھ دیا تھا میں

نے۔"

رفو نے مڑ کر ایک نظر اماں بی کو دیکھا اسے ابھی تک وہ چار چوٹ کی مار یاد تھی۔

"بس بہن زمانہ ہی ایسا آ گیا ہے۔ وہ اسلم صاحب کی بہو ہیں نا بارات والے دن بھی "بیوٹی کلینک" گئی ہوئی تھیں۔ اسلم صاحب نے نکاح کے لیے جلدی کی تو پتہ چلا کہ دلہن بی بی تو ابھی تک بیوٹی کلینک سے ہی نہیں لوٹیں۔"

"ہمیں اسلم اکرم صاحب سے کیا مطلب؟ جو جی میں آئے کریں۔ پر اچھن میاں کوئی غیر تو نہیں ہیں نا۔ ان کی عزت اپنی عزت ہے۔ تم چاہے کچھ کہو بہن میں تو اچھن میاں سے ضرور بات کروں گی۔ آخر کو رفو کے ابا کے ماموں کے بیٹے ہیں۔ میرا بھی کچھ حق بنتا ہے ان پر...... نہ بوا نہ۔ شریف بہو بیٹیوں کے یہ لچھن نہیں ہوتے کہ بال کٹوانے اور چہرے پر میک اپ تھپوانے صبح و شام دوکانوں کے چکر کاٹیں۔"

"کیا بتاؤں بہن زمانہ بہت آگے نکل گیا ہے۔ وہاں تو یوں لگتا تھا جیسے پورا شہر اُمڈ پڑا ہو۔ گھنٹوں انتظار کرنا پڑا تب کہیں جا کر پپو کی باری آئی۔"

"لوگ روز بروز کتنے مصنوعی ہوتے جا رہے ہیں۔ مصنوعی بال، مصنوعی پلکیں، مصنوعی بھنویں اور مصنوعی رنگ۔ خالص حسن نایاب ہوتا جا رہا ہے۔ جو ہے وہ بیوٹی کلینکس کا مرہون منت۔" رفو نے سوچا۔

"خیر دو چار روز میں فرصت پاتے ہی اچھن میاں کے ہاں جاؤں گی۔ بات کرتے کون سا میری زبان گھستی ہے۔"

"پر اچھن میاں برا نہ مان جائیں۔" صالحہ بی بی نے دبے لہجے میں کہا۔

"اے لو اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے۔ میں تو سچ بات کہوں گی۔ کیا بگاڑ لیں گے وہ مرا......" اماں بی نے گھٹنوں کے نیچے دبے ہوئے پاندان کو نکال کر صالحہ بی بی کی طرف بڑھایا اور بات جاری رکھی۔ "تو...... ہاں تو کیا بنا اس بات کا؟"

صالحہ بی بی نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے چپکے چپکے کچھ کہا۔ رفو نے منہ پر پانی کا چھپاکا مارتے ہوئے کنکھیوں سے انہیں دیکھا۔ اماں بی کا چہرہ جگہ جگہ سے چیخ رہا تھا۔ رفو نے فوراً آنکھیں جھکا لیں۔ اس میں اماں بی کا مایوس چہرہ دیکھنے کی تاب نہ تھی۔

"پتا نہیں اماں بی حقیقت کو ایک بار ہی تسلیم کیوں نہیں کر لیتیں؟ روز روز اذیت کا یہ کھیل کیوں کھیلتی ہیں؟ ہر روز دل کے طاق پر امیدوں کے نئے شیشے سجاتی ہیں اور پھر ان کے ٹوٹنے کا

تماشا کرتی ہیں۔ اسے یہ سارا کھیل محض مداری کا تماشا لگتا تھا۔ اب اس کے اندر نہ تو تمناؤں کی بارش ہوتی تھی نہ خواہشوں کے پھول کھلتے تھے اور نہ امیدوں کی قوس وقزح اس کے چہرے پر دکتی تھی۔ تھوڑی دیر اماں بی بالکل گم صم سی بیٹھی رہیں پھر زیر لب گنگنانے لگیں۔

میری بار کیوں دیر اتنی کری

اب کے ان کی آواز میں اتنا کرب اور سوز تھا کہ رفو کا دل ہولا گیا لیکن پھر جیسے اچانک ہی انہیں صالحہ بی بی کی وہاں موجودگی کا احساس ہوا تو انہوں نے پلکیں جھپک کر صالحہ بی بی کی طرف دیکھا اور منہ ہی منہ میں کچھ بدبدا کر چپ ہو گئیں۔ رفو نے جلدی جلدی پانی کے دو چار چھینٹے منہ پر مارے اور اٹھ کر الگنی پر لٹکے ہوئے تولیے سے منہ پونچھنے لگی۔

اماں نے اسے دیکھ کر ایک ٹھنڈی سانس لی اور رفو کو لگا جیسے وہ وہیں کھڑے کھڑے برف کی ہو گئی ہے۔ مرے مرے قدموں سے چلتی ہوئی وہ تخت پوش کے پاس آ کر رکی جھک کر دوپٹہ اٹھایا اور بغیر اماں بی کی طرف دیکھے واپس مڑ کر کچن میں چلی گئی۔

"ارے ہاں صالحہ بی بی۔" اماں نے کچھ یاد کرتے ہوئے کہا۔ "وہ اپنا عثمان آ رہا ہے۔" ان کا لہجہ بڑا نکھرا نکھرا ستھرا ستھرا تھا۔ چند لمحے پہلے کی مایوسی کا کوئی تاثر ان کے لہجے میں نہ تھا۔

"شاید اماں کے دل میں پھر کوئی نئی امید اپنی کونپلیں نکال رہی ہے۔" رفو نے چولہے پر چائے کا پانی چڑھاتے ہوئے سوچا۔

"کون عثمان؟" صالحہ بی بی نے پوچھا۔

"لو بھول گئیں؟ وہی اپنی زہرہ کا بیٹا۔ زہرہ کہنے کو تو ماموں زاد بہن تھی لیکن ہم دونوں میں بڑی محبت تھی۔ دانت کاٹی روٹی کھاتے تھے۔" اماں بی ماضی میں جھانک رہی تھیں۔ "ایک ہی گھر تو تھا بس بیچ میں اک ذرا سی دیوار تھی۔ جب جی چاہتا تھا ٹاپ کر ایک دوسرے کے پاس چلے جاتے تھے۔ پر بٹوارے کیا ہوئے محبتیں بھی تقسیم ہو گئیں۔ شروع شروع میں تو زہرہ نے بڑے بڑے خط لکھے پھر ہولے ہولے خط کبھی کبھار آنے لگے۔ سچ تو یہ ہے میں بھی جواب نہ دے پاتی تھی۔ عثمان، اللہ رکھے بڑا پیارا بچہ تھا۔ بڑا سمجھدار تھا کم عمری میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا بڑی ذمے داری سے گھر سنبھالا۔"

"شادی وادی تو ہو گئی ہو گی۔" صالحہ بی بی نے پوچھا۔

"نہیں بھئی۔" اماں بی نے اطمینان سے چھالیہ پھانکتے ہوئے کہا۔ "کہتا تھا پہلے بہنوں

کے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں پھر اپنے متعلق سوچوں گا ابھی پچھلے برس دو چھوٹی بہنوں کو وداع کیا ہے۔ پاکستان دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ اب ذمے داریوں سے فارغ ہوا ہے تو آ رہا ہے۔ رفو پیدا ہوئی تو زہرہ کہتی تھی کہ اسے میں اپنے عثمان کی دلہن بناؤں گی۔ بس دو برس ہی تو عثمان رفو سے بڑا ہے۔ پر اب تو بیچ میں صدیوں کے فاصلے حائل ہیں۔" انہوں نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔

"کیا پتا عثمان میاں پرانے رشتے ہی جوڑنے آ رہے ہوں۔" صالحہ بی بی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تو اماں بی کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ امیدوں کے مرجھائے ہوئے پودے ایک بار پھر لہلہا اٹھے انہوں نے تو اس طرح سوچا ہی نہ تھا۔

"لو میری عقل پر بھی پتھر پڑ جاتے ہیں۔" انہوں نے زیر لب کہا اور تخت پوش پر بچھی دری کا ایک کونا الٹ کر ایک لفافہ نکالا۔ "لو یہ دیکھو عثمان کی تصویر چند روز قبل ہی زہرہ نے بھیجی ہے۔"

گھنے بالوں اور چمکتی آنکھوں والے عثمان کسی طرح بھی چالیس برس کے نہیں لگ رہے تھے۔

"ماشا اللہ جوڑی تو خوب رہے گی پر جو اللہ کو منظور ہو۔" صالحہ بی بی نے تصویر دیکھ کر واپس اماں بی کو لوٹا دی۔ ان کے دل میں لڈو پھوٹ رہے تھے بھلا اس سے اچھی، اس سے بہتر اور کیا بات ہو سکتی تھی۔ نہ خاندان کا جھگڑا اور نہ کوئی اور چکر شاید اسی لیے اب تک رفو کا نصیب نہیں کھلا تھا۔

"اچھا بی میں تو چلوں۔" صالحہ بی بی برقع بغل میں دبا کر کھڑی ہو گئیں۔

"عثمان میاں کب آ رہے ہیں؟"

"بس یہی پرسوں تک آ جائیں گے۔" اماں بی نے خوش دلی سے بتایا اور دری کا کونا ہٹا کر لفافہ نیچے رکھ دیا پھر تسبیح اٹھا کر یا جبار یا جبار کا ورد کرنے لگیں۔

☆☆☆

اماں بی کی بوڑھی ہڈیوں میں نہ جانے کہاں سے اتنی طاقت آ گئی تھی کہ وہ ادھر سے ادھر سارے گھر میں چکراتی پھر رہی تھیں عثمان کے لیے خود اپنی نگرانی میں کمرہ صاف کرا کے اس میں نیا بستر بچھایا تھا پردے اتار کے دھو کے پھر لگائے تھے۔ سارا گھر شیشے کی طرح چمک رہا تھا لیکن پھر بھی انہیں اطمینان نہیں ہو رہا تھا۔

"رفو......اے رفو۔"

ذرا ذرا دیر بعد انہیں کوئی بات یاد آ جاتی اور وہ رفو کو پکارتیں۔

"دیکھو تو گھڑونچی کے پیچھے سے تم نے ٹھیک طرح سے فرش نہیں دھویا کیسی کائی جمی ہوئی ہے۔"

رفو کے ہاتھ فرش دھوتے دھوتے بری طرح تھک گئے تھے اور اماں کو اطمینان ہی نہیں آ رہا تھا۔

"اب کوئی عثمان ادھر ادھر تھوڑی جھانکتے پھریں گے۔" رفو نے جل کر سوچا اور دوبارہ فرش دھونے لگی۔ اماں بی کو پھر یاد آ گیا۔

"اے رفو وہ عثمان کے کمرے میں تکیے کا غلاف تو بدلا تھا نا؟ اور ہاں وہ ٹیبل لیمپ اپنے کمرے سے اٹھا کر عثمان کے کمرے میں رکھ دینا۔"

وہ سارے گھر میں بوکھلائی بوکھلائی پھر رہی تھیں۔ عثمان کے انتظار میں انہوں نے اچھن میاں کے ہاں جانے کا پروگرام بھی کینسل کر دیا تھا اگرچہ دن میں وہ کئی بار پپو اور زیتون بانو پر نفرین بھیجتی تھیں اور ساتھ ہی ان سب پر بھی جنھوں نے یہ بیوٹی کلینک کھول رکھے تھے۔

"موئے انگریز خود تو چلے گئے مگر اپنے پیچھے اپنے نقش چھوڑ گئے ہیں۔" انہوں نے دل ہی دل میں عہد کر رکھا تھا کہ عثمان آ جائیں تو ایک بار تو اچھن میاں کے ہاں جا کر انہیں اونچ نیچ ضرور سمجھائیں گی۔ توبہ۔ توبہ جوان لڑکی سرخی پوڈر تھوپا نے دکانوں پر ٹکریں مارتی پھرتی ہے۔ اپنا کام تو سمجھانا ہے۔ آگے وہ جانیں ان کا کام۔"

"مگر ہمیں دوسروں سے کیا جس کا جو جی چاہے وہ کرتا پھرے۔" رفو کو خواہ مخواہ الجھن ہوتی تھی۔

"پاگل ہوئی ہے لڑکی۔ وہ کوئی دوسرے ہیں اور پھر تو لڑکیاں تو سب کی سانجھی ہوتی ہیں۔"

اب اماں کو کون سمجھائے۔ رفو تھک کر چپ ہو جاتی اور اماں پھر سے سارے گھر کا جائزہ لینے لگتیں کہ کہیں عثمان یہاں آ کر مایوس نہ ہوں۔

آخر خدا خدا کر کے عثمان آ گئے۔ وہ بالکل اپنی تصویر کی طرح تھے۔ سیاہ گھنے گھنگریالے بال، کشادہ پیشانی، شگفتہ چہرہ، ہنستی ہوئی شوخ آنکھیں۔ وہ آتے ہی اماں بی سے لپٹ پڑے۔ ذرا بھی تو اجنبیت نہ دکھائی۔ اماں بی کو وہ بڑے اچھے لگے وہ گھنٹوں انہیں پاس بٹھائے کرید کرید کر زہرہ اور بچوں کا حال پوچھتی رہیں اور عثمان بھی مزے لے لے کر سب کے بارے میں بتاتے

رہے۔ گاہے گاہے وہ رفو کی طرف بھی کوئی فقرہ اچھال دیتے تھے اور ایک دھیمی سی مسکراہٹ رفو کے لبوں پر آ کر ٹھہر جاتی۔

عثمان کو آئے کئی دن بیت گئے۔ اماں بی اس پر نثار ہوتی رہتیں اور اس سے پوچھ پوچھ کے اس کی پسند کے کھانے پکواتیں اس روز انہوں نے عثمان کی پسند پر کچے گوشت کی بریانی، شامی کباب اور شاہی ٹکڑے بنوائے تھے لیکن عثمان صبح سے گئے دو بجے تک نہ لوٹے تو انہیں گھبراہٹ ہونے لگی۔

"خدا جانے بچہ کہاں رہ گیا اجنبی شہر ہے پتا نہیں۔"

"آپ تو یونہی گھبرا جاتی ہیں عثمان بھائی بچے تو نہیں۔" رفو نے کچن کا دروازہ بند کرتے ہوئے اماں بی کو تسلی دی اور چہرے سے پسینہ پونچھتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی لیکن اماں بی کے دل کو تو پنکھے لگے ہوئے تھے۔

"ہائے خدا جانے کیا ہوا۔ اب میں عورت ذات اسے کہاں ڈھونڈنے جاؤں۔ کچھ ہو گیا تو زہرہ کو کیا جواب دوں گی۔" طرح طرح کے وہم ان کے دل میں اٹھ رہے تھے۔ ڈھائی بجے، تین ہوئے اور پھر کلاک نے ساڑھے تین کا گھنٹہ بجایا تو وہ ہولا کر برآمدے سے صحن میں آ گئیں۔

"اللہ تو ہی بچے کو اپنے حفظ و امان میں رکھ۔"

انہوں نے گھبرا کر دعا مانگی اور تب ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ انہوں نے دوڑ کر دروازہ کھولا اور عثمان کو دیکھ کر جھٹ پٹ اس کی بلائیں لے ڈالیں۔

"کہاں رہ گئے تھے بیٹا۔ میں نے تمہارے لیے کچے گوشت کی بریانی پکوائی تھی۔ کب سے تمہارا انتظار کر رہے تھے۔"

"کیا آپ لوگوں نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔" عثمان شرمندہ ہو گئے۔ آپ نے کھانا کھا لیا ہوتا۔"

"ارے بیٹا کھانے کا کسے ہوش تھا یہاں تو جان پر بنی ہوئی تھی۔"

"آپ تو بالکل اماں کی طرح ہیں خالہ بی۔ میں یہیں تو تھا اچھن ماموں کے ہاں۔ انہوں نے زبردستی کھانے پر روک لیا تھا اور پھر پروین کی دلچسپ باتوں میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ بہت مزے کی باتیں کرتی ہے۔ بڑی مشکل سے کل کے وعدے پر اجازت لے کر آیا ہوں۔" عثمان کی آنکھیں دمک رہی تھیں۔ اماں بی سن سی ہو گئیں۔

رفو سے کہیے گا ساری بریانی اور کباب چٹ نہ کر جائے میں اپنے حصے کی رات کو کھالوں

گا۔"

عثمان ہنستے ہوئے اپنے کمرے میں چلے گئے اور اماں بی وہیں ساکت کھڑی رہ گئیں۔

امید کی وہ کونپل جو عثمان کے آنے سے ان کے دل میں پھوٹی تھی، لمحوں میں مرجھا گئی۔ صالحہ بی بی کی باتیں ان کے کانوں میں گونجنے لگیں۔

"پنو تو اپنی رفو سے بھی دس برس چھوٹی ہی نظر آتی ہے۔"

"مرد خواہ چالیس برس کا ہو یا پچاس کا نوخیز لڑکی سے ہی شادی کرنا پسند کرتا ہے۔" اماں بی نے سوچا۔ اور عثمان بھی آخر مرد ہی ہے۔ ایک عجیب سی بے چینی اور اضطراب نے انہیں گھیر لیا اور جلے پاؤں کی بلی کی طرح وہ کبھی صحن اور کبھی برآمدے کے چکر لگاتی رہیں لیکن اضطراب اور بے چینی کم نہ ہوئی۔ رات انہوں نے کتنی مہارت سے عثمان سے اس کی شادی کے بارے میں پوچھا تھا تو وہ ہنستے ہوئے کہنے لگے۔

"بس خالہ بی اب تو یہاں سے شادی کر کے ہی جاؤں گا۔ کوئی لڑکی ڈھونڈیے نا میرے لیے۔"

اور ان کے اندر ایک دم ڈھیر سارے پھول کھل اٹھے تھے لیکن اب پنو کے بارے میں بات کرتے ہوئے عثمان کے چہرے پر جو رنگ چمک اٹھے تھے انہیں دیکھ کر اماں بی کا دل ڈوب گیا تھا۔

"اگر عثمان نے بھی رفو کو ناپسند کر دیا تو پھر شاید رفو کی ڈولی کبھی نہ اٹھ سکے گی۔" انہوں نے سوچا۔

مایوسی اور ناامیدی نے ان کے دل میں اپنے پنجے گاڑ لیے اور وہ تھکی تھکی سی تخت کے کونے پر ٹک گئیں۔

تو اب عثمان پنو سے شادی کر لیں گے لیکن اگر رفو۔" اور ان کی پیشانی پسینے میں بھیگ گئی۔ گھبرا کر انہوں نے چاروں طرف دیکھا، اٹھیں اور پھر بیٹھ گئیں۔ آنسو دل کے اندر ہی اندر ان کے حلق میں گر رہے تھے۔ کئی بار انہوں نے ہمت کی۔ رفو کے کمرے کی طرف دو قدم بڑھائے لیکن پھر لوٹ آئیں۔ بار بار ان کی پیشانی پسینے سے بھیگ جاتی تھی اور بار بار وہ ہمت کر کے رہ جاتیں۔

"رفو کا چہرہ کتنا پھیکا پھیکا اجڑا اجڑا اور ویران ویران لگتا ہے جبکہ پنو کے چہرے پر بڑی تازگی اور شگفتگی ہے پھر بھلا عثمان پنو کے مقابلے میں رفو کو کیسے پسند کر لیں گے؟ بہت دیر تک وہ بڑے دکھ سے سوچتی رہیں پھر آخری بار ہمت کر کے اٹھیں۔ بوجھل قدموں سے چلتی ہوئی رفو کے کمرے تک آئیں ان کی سانس یوں پھول رہی تھی جیسے میلوں لمبا سفر طے کر کے آئی ہوں۔

رفو بستر پر اوندھی لیٹی رسالہ دیکھ رہی تھی اماں بی نے غور سے اس کے اجڑے اجڑے بے رنگ چہرے کو دیکھا۔ وہ بدصورت تو ہرگز نہیں تھی۔ موٹی موٹی غلافی آنکھیں چھوٹا سا دہانہ، گندمی رنگ، پتلی سی لمبی ستواں ناک وہ بلاشبہ پنو کے مقابلے میں کہیں زیادہ خوبصورت تھی مگر اس کی آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی تھی اور گالوں کے گلاب مرجھا گئے تھے۔

''رفو۔'' انہوں نے آہستگی سے پکارا۔

رفو نے چونک کر انہیں دیکھا۔

''رفو وہ۔'' اور آواز ان کے حلق میں ہی پھنس گئی۔ وہ گیلی گیلی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

''کیا ہے اماں آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔'' رفو سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''ہاں ہاں۔'' انہوں نے پیشانی سے قطرے صاف کیے۔ ''وہ...... میں یہ کہہ رہی تھی'' لفظ پھر ان کے اندر ہی کہیں گڈمڈ ہو کر رہ گئے۔ انہوں نے بے بسی سے رفو کی طرف دیکھا۔ انہیں لگ رہا تھا جیسے وہ دور کہیں بہت اونچائی پر رسی پکڑے خلا میں لٹک رہی ہیں اور رسی ان کے گوشت میں اتری جا رہی ہو۔

''اماں آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگتی۔'' رفو نے گھبرا کر انہیں بازو سے پکڑا اور بٹھانے کی کوشش کی۔ انہوں نے دھندلی دھندلی آنکھوں سے رفو کی طرف دیکھا اور ایک ہی بار رسی چھوڑ کر نیچے گہرائیوں میں آ گریں۔

''وہ...... میں کہہ رہی تھی کہ تم آج اپنی خالہ صالحہ کے ساتھ چلی جانا۔''

انہیں ایسا لگا جیسے ان کا وجود پختہ فرش سے ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو گیا ہو۔''

''مگر کہاں اماں۔'' رفو نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ارے وہی کیا نام ہے اس کا۔ ہاں وہی موا خوبصورتی کا اسپتال۔''

''بیوٹی کلینک۔'' رفو نے پھنسی پھنسی آواز میں پوچھا۔ لمحوں میں وہ ساری حقیقت پا گئی تھی اسے لگا جیسے کسی نے اس کا دل سینے سے نوچ کر پتھریلی دیوار پر دے مارا ہو۔

''ہاں ہاں وہی موا بیوٹی کلینک۔''

اماں بی نے نگاہیں چرالیں اور آنکھوں سے امڈ پڑنے والے سیلاب کو چھپانے کے لیے تیز تیز قدموں سے باہر نکل گئیں اور رفو حیرانی، دکھ اور کرب کی ملی جلی کیفیت میں آنکھیں پھاڑے ہلتے پردے کو دیکھتی رہ گئی۔